ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں :

مولانا عبدالصمد عاجز

مولانا محمد عبدالصمد خاں عاجز کی دو کتابیں (۱) مثنوی تحفۃ العاشقین اور (۲) تحفۃ العارفین (دینی مباحث پر) ایک ساتھ مطبع انوری آگرہ سے ۱۳۰۸ ھ میں شائع ہوئی تھیں۔ انکے مطالعے سے مولانا کے کچھ حالات اخذ کیے جاسکتے ہیں۔ مثنوی تحفۃ العاشقین کے شروع میں حمد و نعت کے بعد لکھتے ہیں :

اما بعد می گوید پشت بدیوار زاویۂ خمول ، ضراعت و خاکساری حصول ، مجمع منقصتہاے بے حدوعد، محمد عبدالصمد عفا عنہ الاحد کہ من شکستہ بال ، سرگشتہ حال ، مدتے مدید و زمانے بعید بمقتضاے این بیت :

شو ہمدمِ پروانہ تا سوختن آموزی
با سوختگاں بنشیں شاید کہ تو ہم سوزی

پروانۂ شمع دلاں و سوختۂ وادیِ طلبِ درد حاصلاں بودم \ دمبدم سینۂ بریاں و دیدۂ گریاں در صحراے طلب پویاں و صحبتِ کیمیا خاصیت سیماب دلاں جویاں ، نہ دل را ازیں کار صبرے ، نہ از سماے فیضِ صاحب دلے بارش ابرے۔ تاایں کہ بہ گوشِ دلم خبر رسید کہ مطلوبِ تو حاصل نتواند شد الّا از افادات و افاضات رہنماے سالکین ، قدوۃ العارفین .... برگزیدۂ اہل دل ، رہروان بمنزل واصل ، سر حلقۂ عاشقان دلفگار حضرت شاہ نامدار کہ اکسیر سیماب دلان ہمگی اضطراب اند و رونق بخش سرزمین پنجاب ۔ بمجرد شنیدن ایں خبر شوق از عالم برنگے دیگر و شوقم بیشتر از بیشتر گردید ودلم برعزم جازم شد و درغلبت شوق بایں قطعہ مترنّم۔

قطعہ :

آتشِ عشق کو کہ از اثرش
عقل آتش بہ دفتر اندازد
کو عقابِ جنوں کہ از سہمش
مرغِ ادراک شہپر اندازد
مستیِ شور کو کہ نعرۂ من
واعظاں را ز منبر اندازد
دلم از زہد در گذشت و کنوں

طرح طور قلندر اندازد

ایسے پندرہ اشعار ہیں اور آخری تین اشعار یہ ہیں:

وقت آں شد کہ بر دلِ مردہ
نفسِ روح پرور اندازد
واصف ایں رائے زد کہ در قدمش
تحفۂ بس محقّر اندازد
یعنی ایں تنگ دست در پایش
از تہی مایگی سر اندازد

پھر وہ کہتے ہیں:

الحاصل درراہ آں مطلوب عاشقاں دویدم واز حصول خدمت سعادت آیتش بمقصود دل رسیدم - از آنجا کہ طبع من برشیوۂ از خود رسیدگاں مستانہ و متوحش از خویش و بیگانہ بود از صحبت خلق تجرد و از یار و اغیار تفرد می جستم، تعلیم و ارشاد را بایں کارے و اندیشہ اخذ بیعت را دردلم یارے نبود، آں جناب بوجہے از وجوہ در دلم ریختند کہ بتعلیم آنچہ درتست چرا نمی کوشی و از طالبان صداقت کیش، ارادت اندیش، چشم التفات چرامی پوشی؟ دراشاعت ایں امر بجد باش و بر فیض مبدا فیاض معتمد - بمقتضائے وجوب اطاعت امر، خودرا بکار اہل ارادت مصروف ساختم و طور قلندری و شیوہ آزادی برانداختم و خواستم کہ برائے یاران و محبان چیزے از آداب طریقت بطرز مثنوی، بہ زبانِ اردو بیان نمایم .....

اس طویل اقتباس سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ مولانا کو شروع ہی سے معرفت سے تعلق رہا ہے اور ان کے بہت سے ارادت مند تھے- جب وہ شاہ نامدارؒ کی خدمت میں پہنچے تو انھیں "اخذ بیعت" (یعنی اخذ تعلیم سلوک) کی چنداں ضرورت محسوس نہیں ہوئی اور انھوں نے شاہ صاحب سے "طور قلندری اور شیوۂ آزادی" کے مطابق آداب طریقت کو اپنی مثنوی میں بیان کرنے کی اجازت حاصل کی-

یہ مثنوی "تحفۃ العاشقین" اس طرح شروع ہوتی ہے:

دستگیری کیجو اے میرے خدا
تاکہ کوئی دم نہ ہوں تجھ سے جدا
دم بہ دم ہوتا رہوں تجھ پر فدا
آرزو تجھ سے یہی ہے اے خدا

ہو زباں پر ذکر ، دل میں ہو حضور
ماسوا تیرے یہ دل ہو سب سے دور
بے حضور دل نہ لوں میں تیرا نام
جب کہ لوں میں ہو حضور دل تمام
ہر گھڑی ہر لحظہ ہو تیرا حضور
بے جہت ، بے کیف مجھ کو اے غفور
التجا کس سے کروں تیرے سوا
کون برلاوے گا میرا مدعا
نور وحدت کر دے مجھ پر آشکار
بس یہی ہے مدعا پروردگار

یہ مثنوی مولانائے روم علیہ الرحمہ (م ۶۷۲ ھ) کی مثنوی سے عموماً ماخوذ ہے اور اسی کی پیروی میں ہے۔ اس میں ۷۳ صفحات ہیں اور قریب ساڑھے چودہ سو اشعار ہیں۔ اس کی فصلوں کی سرخیات سب فارسی میں ہیں۔

(۱) بیان وحدت و گفتن انا - ولولۂ اول در سلوک (۲) در بیان انتشار دل و وسوسۂ شیطان و باز داشتن ازو (۳) در بیان آیت نحن اقرب (۴) در بیان حدیث قدسی سمعہ الذی یسمع بہ (۵) در بیان درست کردن دل بموجب حدیث ان اللہ لاینظر الی صورکم (۶) در بیان ترجیح نماز اہل باطن براہل ظاہر (۷) در بیان ادب (۸) در بیان آیۃ وابتغوا الیہ الوسیلہ (۹) در بیان نماز کامل (۱۰) در بیان صحبت اولیاء (۱۱) حکایت بایزیدؒ (۱۲) در بیان نماز نا حضور (۱۳) در بیان علم حقیقت (۱۴) در بیان حقیقت جہل (۱۵) در بیان نماز بے حضور (۱۶) در بیان نماز کامل کہ حاصل نمی شود مگر بتوجہ مرشد کامل (۱۷) در بیان نماز کامل کہ بغیر ارکان ظاہری و اخلاص دل نمی شود (۱۸) در بیان علم دین یعنی تفسیر و حدیث و فقہ و علم تصوف - این ہمہ ہم دیگر لازم و ملزوم اند (۱۹) در بیان اخلاص (۲۰) در بیان سوز دل (۲۱) در بیان نماز مومن کامل (۲۲) در بیان ریا (۲۳) در بیان پیر صادق (۲۴) در بیان متفقہ متقشف (۲۵) در بیان مرید شدن باحتیاط تمام و محترز شدن از صحبت غیر اہل باطن (۲۶) در بیان اقسام سالک (۲۷) در بیان اطاعت پیر کامل (۲۸) در بیان صفت مجذوب سالک (۲۹) در بیان اقسام جذب (۳۰) در بیان صلوۃ حضرت سفیان ثوری (۳۱) در بیان مذمت خیال الفت ماسوائے حق (۳۲) در بیان کشت آخرت (۳۳) در بیان اوصاف دل (۳۴) در بیان درد حق کہ از کلام اللہ ثابت است (۳۵) در بیان سبب جذب اہل حال صادق (۳۶) در بیان جذب کہ بغیر محبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیچ فائدہ نکند (۳۷) در بیان درد و سوز خلیفہ برحق

آنحضرتؐ حضرت ابوبکر صدیقؓ (۳۸) در بیان درد و سوز حضرت امیرالمؤمنیں علی کرم اللہ وجھہ (۳۹) در بیان سوزو درد خلیفہ برحق حضرت عمرؓ (۴۰) در صفت درد (۴۱) در بیان مذمت زاہد خشک (۴۲) حکایت (۴۳) در بیان طالب کاذب (۴۴) در بیان محترز شدن طالب حق در صحبت بے درداں (۴۵) در بیان امراض باطن کہ چہاراند و مہلک طالب حق اند (۴۶) در بیان دواے امراض مذکورہ یعنی تکبر وغیرہ (۴۷) در بیان کبر کہ شش اند و معالجہ آن (۴۸) در بیان حقیقت دنیا و بے ثباتی آن (۴۹) در بیان فضیلت ذکر کردن و ذکر کنندہ و مذمت اہل غفلت (۵۰) در بیان مذمت کسانے کہ اہل ذکر را بحقارت بینند (۵۱) در بیان کلام سلطان صوفی حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ در شناختن خود۔ ان کے بعد "خاتمہ مثنوی بدعاء مقبول" اس طرح ہے:

اے خداے دو جہاں بہرِ رسولؐ
مومنوں کو مثنوی ہو یہ قبول
کر چکا اب مثنوی عاجزؔ تمام
طالبو، دل سے پڑھو اس کو مدام
یہ دعا عاجزؔ کی حق نے کی قبول
از طفیل آل و اصحاب رسولؐ
یعنی اس کو جو پڑھے بہرِ خدا
دردِ دل حاصل ہو اس کو مطلقا

ان اشعار کے بعد مرتب نے فائدہ کے ذیل میں لکھا ہے کہ: "مصنف قدس اللہ سرہ العزیز سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں فرمایا کہ "تو کچھ بیان کر، تاکہ طالبوں کو اس راہ کے اس سے فائدے حاصل ہوں"۔ پس بموجب اس حکم کے، مصنف نے یہ مثنوی تصنیف کی اور اس سے اس کی قبولیت کا یقین کامل ہوا"۔

مثنوی میں جگہ جگہ احادیث اور اقوالِ صوفیہ کی ترجمانی ہے۔ مثلاً فصلِ اول میں ہے

من سکت کو دل سے پڑھ تو اے عزیز
تجھ کو تا رمزِ خفی پر ہو تمیز
یعنی جس نے بند کی اپنی زباں
پا گیا اندھوں کے ہاتھوں سے اماں
دیکھ کیا فرماتے ہیں عالی جناب
یعنی حضرت مصطفٰےؐ اے فیض یاب

قول اس کے عقل پر کر اے جواں
تا نہ ہو وہ رازِ حق سے بدگماں
دوسرا فرمان سن اس پاک کا
مرتبہ ہے جس کے باعث خاک کا
جس پہ کھل جاتا ہے رازِ حق نہاں
بند ہو جاتی ہے بس اس کی زباں ...

جن احادیث سے یہ اشعار ماخوذ ہیں حاشیے میں درج ہیں۔ یعنی مصنف ہی نے وہ حاشیے تیار کیے ہوں گے۔

من سکت سلم و من سلم ـ نجا (شعر ۱ ـ ۲)

کلموا الناس مما یعرفون و دعوا ماینکرون تریدون ان یکذب اللہ ورسولہ (شعر ۳)

من عرف ربہ کَلّ لسانہ (شعر ۵)

فصل پنجم میں ہے:

یوں ہوا فرمانِ حق اے ہوش مند
ماسوا دل کے نہیں ہم کو پسند
جو عمل دل سے نہیں ، بس ہے تلف
لکھ گئے ہیں اس بیاں کو سب سلف
بلکہ فرمایا نبیؐ نے اے دغل
جس کے دل میں ہے خلل ، سب میں خلل
دیکھ فرماتے ہیں مولانائے دیں
مومنوں کو جس سے ہوتا ہے یقیں
ما زباں را ننگریم و قال را
مادروں را بنگریم وحال را ...

ان اشعار کے حاشیے پر یہ حدیثیں درج ہیں:

ان اللہ لاینظر الی صورکم ولاالی اعمالکم ولکن ینظر الی قلوبکم و نیاتکم (حدیث قدسی)

وان فی الجسد مضغۃ اذا صلحت صلح الجسد کلہ واذا فسدت فسد الجسد

کلہ الا وھی القلب۔

اسی طرح پوری مثنوی کے حاشیوں میں قرآن و حدیث کے حوالے ہیں اور رومیؒ اور عطارؒ کے اشعار جگہ جگہ متن میں شامل ہیں۔

مثلاً فصل ۲۷ میں (دربیان اطاعت پیر کامل) لکھتے ہیں :

گر تو چاہے وصلِ حق اے بے خبر
کاملوں کا خاکِ پا ہو سربسر
اس صفت کا گر ملے تجھ کو گدا
اس کے اوپر جان و دل سے ہو فدا
سب سے ہو آزاد ، ہو ان کا غلام
جب ملے دیں کا مزا تجھ کو تمام
جب تلک انکا نہ ہووے خاکِ پا
رازِ حق ہرگز نہ ہووے تجھ پہ وا
یہ لکھا عطار نے اے بے شعور
پڑھ کے کر دل سے تکبر اپنے دور
من کہ دامن از جہاں برچیدہ ام
عشقِ اہلِ حق زجاں بگزیدہ ام
من کہ دارم از ہمہ عالم فراغ
مہرِ کامل کردہ ام در سینہ داغ
من کہ از سیرِ دو عالم رستہ ام
بر درِ اہلِ دلاں خاکِ درم ...

عطارؒ کے اسی سلسلے کے چھے اشعار اور ہیں - پھر دوسرے اشعار ان کے اپنے ہیں۔
فصل ۳۶ میں حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت والے جذب کا ذکر ہے :

ہو مگر جو شرعِ احمدؐ کا نثار
درد اس کا راست ہے اے باوقار
جو خلافِ آں جناب پاک ہے
درد اس کا سربسر سب خاک ہے
جو فدا ان کا وہ مولیٰ کا فدا

پڑھ اطاع اللہ فرمانِ خدا
جس نے کی ان سے محبت اے حبیب
نورِ وحدت ہوگیا اس کے نصیب
جس زمیں پر نقش ہوں ان کے قدم
اس کو چومیں سب ملائک دمبدم ۱؎
ہووے جس جا پر لکھا حضرتؐ کا نام
اولیا آنکھیں ملیں ہر صبح و شام
حب احمدؐ سے ہو بس وصل خدا
کیوں نہیں ہوتا دلا ان پر فدا
مصقلہ ہے دل کا حب مصطفیٰ
بے محبت کے نہ ہو دل پر جلا
جس کو حب مصطفیٰ حاصل نہیں
بالیقیں وہ ہے لعیں وہ ہے لعیں

غرض کہ پوری مثنوی اسی طرح ہے۔ اس کے بعد مصنف کی دوسری کتاب تحفۃ العارفین شروع ہوتی ہے جو نثر میں ہے اور اس میں دینی مباحث ہیں اور شروع میں تصوف کی بعض اصطلاحات کا ذکر بھی ہے۔ یعنی ذکر خفی ، ذکر جلی ، تاثیر توجہ اتحادی ، تاثیر توجہ اصلاحی وغیرہ کی تفصیل دی ہے۔ تحفۃ العارفین میں ۱۱۳ صفحات ہیں (ہر صفحہ میں ۲۱ سطریں اور ہر سطر میں ۱۹ - ۲۰ - الفاظ) ۔ اس میں سے صفحہ ۱۹ - ۲۰ کا ایک اقتباس درج ذیل ہے جس سے مصنف کے بعض دینی عزیزوں کا حال بھی معلوم ہوتا ہے۔ شروع میں انھوں نے حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ اور نان بائی کا مشہور واقعہ (تاثیرِ اتحادی سے متعلق) بیان کیا ہے۔ پھر لکھا ہے کہ " اسی طرح کا تصرف خاکسار نے بچشمِ خود اوپر دو برادران دینی اپنے کے دیکھا۔ یعنی ایک پر تاثیرِ توجہ اصلاحی اور دوسرے پر تاثیرِ توجہ اتحادی کا۔ یعنی برادر محمد قمرالدین خان صاحب کہ ساکن قصبہ مرسان ضلع علی گڑھ کہ فی زماننا عاشق خدا ، یکتائے وقت اور بے بدلِ زمانہ اپنے کے ہیں بخدمت میاں مان اللہ شاہ صاحب قدس سرہٗ کے کہ معروف بہ دیگوی تھے بہ ایں نیت حاضر ہوئے کہ اگر جناب اقدس کامل اور اکمل ہیں تو آج مجھ کو مرید کریں اور میرا نام پردل شاہ رکھیں تو میں حضرت کے کمال کا قائل بنوں۔ غرض کہ جب برادر ممدوح ، حضرت کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو جنابِ اقدس نے معاً صورت دیکھتے ہی برادر ممدوح کی فرمایا کہ میں نے تجھ کو آج مرید کیا اور تیرا نام پردل شاہ رکھا۔ یہ لفظ حضرت کی زبان مبارک سے سن کر براور ممدوح نے بے ہوش

۱- حافظ : بر زمینے کہ نشان کف پای تو بود   سالہا سجدہ صاحب نظراں خواہد بود

اور مدہوش ہو کر بہ آہ و فغاں راہ صحرا کی لی۔ حتیٰ کہ تیس برس کے بعد برادرِ ممدوح کو گونہ افاقہ ہوا۔ مگر یہ افاقہ بھی اس طرح پر ہے : گہ آسودہ در گوشۂ خرقہ دوز۔ گہ آشفتہ در مجلسِ خرقہ سوز۔القصہ جنابِ اقدس و برادرِ ممدوح کی صورت و شکل میں کچھ فرق باقی نہ رہا مگر اس قدر کہ برادرِ ممدوح بصورتِ جوان اور جنابِ اقدس بصورتِ پیرِ ناتواں کے تھے۔

اور دوسرے یہ کہ برادر مولوی محمد نصیر شاہ جناب چچی رحمۃ اللہ علیہ بیچ خدمت جناب قطب الاقطاب ..... جنابِ مستطاب مولانا و مرشدنا حضرت مولوی محمد شاہ نامدار والا تبار قدس سرہٗ ... کے چھیچہ سے برہنہ پا باآداب تمام ، ہمہ تن اعتقاد سے سرشار ہوکر بہ نیازمندی تمام، ملکِ پنجاب میں بمقام قصبۂ سیالکوٹ کہ ملک چھیچہ سے فاصلے قریب دو سو کوس کے رکھتا ہے بوقت عصر حاضر ہوکر داخلِ طریقۂ عالیہ مع ایک توجہ اس جناب اقدس کے ہو کر تاوقت عشا ، ضبطِ توجہ القائی و اصلاحی کا ، حاصل کرکے خرقۂ خلافت ، شریعت و طریقت کا ، پہن کر پرتو اندازی توجہ مذکوروں کے ، اوپر دلوں طالبان صادق الاعتقاد کے ، کرکے متوجہ ضبطِ توجہ اتحادی کے ہوکر ملک چھیچہ کو سدھارے۔ سبحان اللہ کیا انعام اور افضال اوپر امتِ مرحومہ کے ہے ... "۔ اس عبارت میں شاہ نامدار سیالکوٹی کو "قدس سرہٗ کہا ہے یعنی وہ وفات پاچکے تھے۔۱

اوپر کے اقتباس سے مصنف کی تحریر کی ایک خصوصیت ظاہر ہوتی ہے کہ وہ زندہ اور وفات یافتہ معاصرین کے نام کے ساتھ " صاحب " بھی لکھتے ہیں (صرف اپنے مرشد کے نام کے ساتھ " صاحب " نہیں لکھا کہ ان کے لیے بہت سے القاب لکھے ہیں) اور وفات یافتہ کے لیے " صاحب کے بعد رحمۃ اللہ علیہ یا قدس سرہٗ بھی لکھا ہے۔ انھوں نے متعدد مقامات پر شاہ محمد اسمٰعیل دہلوی (م ۱۲۴۶ ھ) کا ذکر کیا ہے (صفحات ۵۸ - ۵۹ - ۶۰ - ۹۷ و غیرہ) اور ان کے نام کے ساتھ ہر جگہ " صاحب " لکھا ہے (رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نہیں لکھا) - اس لیے قیاس ہوتا ہے کہ "تحفۃ العارفین" کی تصنیف کے وقت شاہ اسمٰعیل زندہ تھے۔ یعنی یہ تصنیف ۱۲۴۶ ھ سے پہلے تیار ہوچکی تھی۔ پھر صفحہ ۶۰ میں شاہ صاحب کی تقویت الایمان کا ذکر ہے اور صفحہ ۶۱ میں ان کی فارسی تصنیف "صراط المستقیم" کا ذکر بھی ہے۔"تقویت الایمان ۱۲۴۰ ھ میں یا کچھ پہلے شائع ہوچکی تھی۔ ۲ اس لیے ظاہر ہے کہ "تحفۃ العارفین" ۱۲۴۶ ھ سے پہلے اور ۱۲۴۰ ھ کے بعد مرتب ہوئی اور اسی زمانے میں شاہ نامدارؒ کی وفات ہوئی ہوگی۔ اور اس سے پہلے "تحفۃ العاشقین" لکھی ہوگی جس میں شاہ نامدار کو زندہ کہا گیا ہے۔

مصنف یعنی مولانا عبدالصمد عاجز کے کچھ حالات اس طرح معلوم ہوتے ہیں کہ "تحفۃ العاشقین" کے آخر میں ان کے خلیفہ سید حسین شاہ کی ایک رباعی اس تصریح کے ساتھ ہے کہ وہ [قصبۂ اترولی (ضلع علی گڑھ) میں] ۱۲۷۹ء میں فوت ہوئے اور وہیں ان کا مزار ہے۔ " رباعی تاریخ از تصنیف

مولانا سید حسین شاہ صاحب بخاری ، خلیفہ حضرت مخدوم مرحوم کہ بر مزار شریف واقع قصبۂ اترولی کندہ است :

این زندۂ جاوید کہ اندر لحد است
از نورِ یقیں ہادیِ دیں تا ابدست
سالِ سفر و اسمِ شریفش گویم
مستِ احدی جنابِ عبدالصمد ست ۔ ۳

پھر یہ بھی ہے : " قطعۂ تاریخ طبع زاد سید فضل حق صاحب ساکن اترولی ، خلیفہ و مرید خاص حضرتِ ممدوح کہ ایں ہم بر مزارِ شریف کندہ است :-

آشنائے بحرِ عرفاں ، مخزنِ فضل و کرم
حضرتِ عبدالصمد کشّافِ اسرارِ قدم
ہادیِ راہِ طریقت ، آفتابِ معرفت
مظہرِ نورِ حقیقت ، مصدرِ فیضِ اتم
جوہرِ تیغِ شجاعت ، مجمع حلم و حیا
معدن جود و سخاوت ، صاحبِ سیف و قلم
نقشبند و صاحبِ ارشاد در ہر سلسلہ
داشت نسبت با جناب نامدار محترم
روز یکشنبہ بتاریخ سوم وقتِ زوال
در محرّم شد ازیں دارِفنا سوے ارم
در فراقِ صوری آں قدوۂ اہلِ وفا
بود طالب ہر یکے در رنج و اندوہ و الم
بہر تاریخش سرِہاتف فرو گردید و گفت
کعبۂ اہلِ طریقت ، قبلۂ اہلِ کرم

یعنی یک شنبہ ۳ محرم ۱۲۷۹ھ کو انتقال ہوا اور یہ کہ آپ حضرت شاہ نامدار نقشبندیؒ (سیالکوٹی) سے نسبت رکھتے تھے۔

مثنوی " تحفۃ العاشقین " کے آخر میں عبدالصمد عاجز کی ۲ نعتیہ غزلیں بھی ہیں جن کے مطلعے یہ ہیں :

وہ ہیں شاہِ دو عالم جو غلامانِ محمدؐ ہیں
وہ بہتر ہیں شہیدوں سے جو قربانِ محمدؐ ہیں

دیکھو تو ذرا رتبۂ والائے محمدؐ
سرتاج ہے ہم سب کا کفِ پائے محمدؐ
زمیں پر جو غلامِ شاہِ دیں ہے
وہی فرماں دہِ عرشِ بریں ہے
ہمیں یار سے وصل کی آرزو ہے
شب و روز دل کو یہی جستجو ہے
یار کی شان پر فدا ہیں ہم
کبھی واصل ، کبھی جدا ہیں ہم
اگر دل خوابِ غفلت سے ذرا بیدار ہوجائے
کرے جس پر نظر وہ صاحبِ اسرار ہو جائے

فرد

ہم نہیں کم ظرف ایسے جو بکیں دیوانہ وار
خُم کے خُم پی جاتے ہیں ، رہتے ہیں لیکن ہوشیار

پھر قدسی کے مطلع (مرحبا سیّدِ مکی مدنی العربی) پر پانچ بند کی ایک ترجیع بند ہے۔ ان سب کے مقطع میں عاجزؔ تخلص ہے۔ اس کے بعد ہندی شاعری میں ۲۵ بھجن " ہیں جن میں " مست " تخلص ہے۔ پہلے بھجن کے چار اشعار ملاحظہ ہوں :

جاگ رے مورکھ سووت کاہے
دیکھ تو جگ میں ہووت کاہے
لاکھ بار کہو سمجھایو ، دھیان میں تیرے ایک نہ آیو
منہ پھاڑے دھرتی تو ہے بیٹھی ، اورن کو تو رووت کاہے
تیں تلوک اور صاحب تو میں ، تو ڈھونڈے ہے مومیں
تو ہیں
اندھرا مورکھ دیکھت ناہیں ، توھیں بولت کاہے
نحن اقرب مالک بولا - من عرف نے یاکو کھولا
بیگ سے یاکو بوجھ رے مستا ناحق جنم تو کھووت کاہے

پھر ۵ دوہرے ہیں۔ ان کے بعد " پدراگنی شیام کلیان " ہے :

ایک جوا ہم کھیل چلے ، تن من دھن سب ہار چکے جی

تن دادیا پریم باٹی ، گیان کو تیر نکال چلے جی
کہت ہیں مستا یاتن بھیتر چت سرت سو بار چکے جی

دوہرا :

لاکھ کتاب اور پوتھی باچ
کہنی جھوٹی ، کرنی ساچ

دوہرا :

دھیان گیان سے کچھ نا ہوئے
جب لگ آپ کو تو نا کھوئے

دوہرا :

تن سوکھو ، تونبا بھیو ، رگیں بھئیں سب تار
روم روم تُر دیت ہے سولے لے نام تہار
مکھ سے رب رب ، من ترا سووے ، یا سے مکت نہ ہووے

پہلے پیت سے من کو جگاوے ، ہر سانسا پھر ہرگن گاوے
آپ مٹے اور جگ کو مٹے ہر درشن تب ہووے
من میلا تن تیرا اجلا ، پاپی مورکھ کیا تو بھولا
بیگ سے من کو مانجھ رے مورکھ ، ناہیں باچھے دیکھ تو
رووے
ہردے میں جو تیرے بستا ، مالک پل چھن واکو تکھتا
یاکو دھیان جو راکھے نہ مستا پاپ کیا وہ دھرم کو کھووے

یہاں ان کی ہندی شاعری ختم ہوتی ہے۔

یہاں بے محل نہ ہوگا اگر "تحفۃ العارفین" کے مضامین کا ایک خلاصہ عرض کر دیا جائے۔ شروع کے صفحات (۳ - ۶) میں حمد و نعت کے بعد ذکرِ خفی ، ذکرِ جلی ، قلب و روح پر بحث ہے۔ پھر فلاسفہ کی خامیاں بتائی ہیں اور صفحہ ۸ میں شیخ عبدالحقؒ کی "مرج البحرین" سے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ "کسی ولی اللہ نے کہ ان کو شرف صحبت معنوی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حاصل تھا ، بعد وفات فخرالدین رازیؒ کے ، انکا حال خواب میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو فرمایا ذالک رجل معاتب۔ بعد اس کے حال بوعلی سینا کا پوچھا تو فرمایا ذالک رجل اضلہ اللہ علی علم ۔ پھر شہاب الدین مقتول کا حال پوچھا۔ تو فرمایا ھو من متبعیہ ۔"[۴] بعد کے صفحات میں بھی فلاسفہ کی تردید ہے۔

صفحہ ۱۹ - ۲۶ میں تاثیرِ توجہ اصلاحی اور تاثیرِ توجہ اتحادی کا ذکر ہے کہ کس طرح اور کس حد تک قلوب متأثر ہوتے ہیں- مختلف واقعات اس سلسلے میں بیان کیے ہیں اور بیعت کے جواز پر بھی بحث ہے- پھر صفحہ ۲۷ - ۴۱ میں درد، سوز، جذب و سکر کے واقعات آتے ہیں- صفحہ ۴۲ - ۴۴ میں نورِ جنابِ احدیت اور نورِ محمدیؐ کے افاضات کا ذکر ہے- صفحہ ۴۴ میں فرماتے ہیں کہ "شریعت بمنزلہ لفظ کے ہے اور طریقت بمنزلہ اس لفظ کے معنی ہیں"- پھر اسی بحث کو آگے لے جاکر صفحہ ۴۷ میں فرماتے ہیں کہ "مرادِ سیری وہ شریعت نہیں جس کو وہابی شریعت کہتے ہیں، نہ وہ طریقت کہ جس کو بدعتی طریقت بیان کرتے ہیں، کیونکہ یہ دونوں دریاے ضلالتِ افراط و تفریط میں غرق ہیں ..." پھر اسی بحث کے سلسلے میں صفحہ ۵۰ میں لکھتے ہیں کہ "مسائل مستنبط کو بدعت کہنا محض نادانی ہے"- صفحہ ۵۴ میں لکھا ہے کہ ہارون رشید کے زمانے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مزار دریافت ہوا- اس کے بعد تصرفات کا ذکر (صفحہ ۵۶ - ۵۷) اور اس کی تنقیح ہے- رابطۂ مرشد اور تصورِ شیخ (صفحہ ۵۸ - ۶۰) پر بحث ہے کہ "رابطۂ مرشد کو برزخ بنا کر جو علم اور تصرف اور عبادت اور صفات خاص خدا کے واسطے مقرر ہیں وہ اس مرشد کی نسبت اعتقاد کرکے شغلِ برزخ میں مشغول ہوتے ہیں اور اگر کوئی شخص ان بے علموں سے کہے کہ یہ فعل شرک ہے تو اسکو وہابی اور نجدی کہتے ہیں"- اسی سلسلے میں تصورِ شیخ سے متعلق "مولوی اسمٰعیل صاحب" کے اقوال کی توجیہ بھی ہے اور تنقید بھی ہے- ان کی فارسی تصنیف "صراط المستقیم" کے حوالے (صفحہ ۶۱) بھی اسی موضوع سے متعلق دیے ہیں- یہ بحث صفحہ ۷۳ تک چلتی ہے جہاں مختلف سلاسل کے اذکار کے متعلق اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ وہ بدعت سیئہ ہیں اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا قول بھی نقل کیا ہے کہ متأخرین کو بسبب بُعد زمان رسالت کے البتہ ایسے اشغالِ مذکورہ کی حاجت ہوئی جیسے صحابۂ کرام کو قرآن اور حدیث کی فہم میں قواعدِ صرف و نحو کی حاجت نہ تھی اور اہلِ عجم اور بالفعل بعد کے عرب اس کے محتاج ہیں"- پھر بعضے "زلہ خوار فلاسفہ" کے اس اعتراض کا ذکر ہے کہ وہ فقہ میں رابطۂ شیخ نہیں پاتے- تو مصنف نے لکھا ہے کہ "فقہ میں اعمالِ جوارح کا بیان ہے "مسائلِ باطنہ کا نہیں" (صفحہ ۷۴) - نیز دوسرے جوابات ہیں- بعد میں محفلِ میلاد شریف کے مستحسن ہونے کے دلائل دیے ہیں اور صفحہ ۸۳ میں موصل کے شیخ عمر بن املاہی کا ذکر ہے کہ انھوں نے محبت اور عقیدت کی بناء پر یہ محفل شروع کی تھی- یہ بحث بہت لمبی ہے اور صفحہ ۹۸ میں ہے کہ لعمرک (الحجر - ۷۲) اور لاأقسم بھٰذا البلد (البلد - ۱) میں حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اور شہر کی قسم اللہ تعالیٰ کی انتہائی محبت کی مظہر ہے- ۵ اسی طرح ولسوف یعطیک ربک فترضی (الضحیٰ - ۵) بھی اسی محبت کی دلیل ہے- (صفحہ ۹۹) - پھر حضورِ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت اور ان کے صدقے میں

مسلمانوں کو دنیا اور آخرت میں جو کچھ ملتا ہے اس کا ذکر ہے۔ صفحہ ۱۰۵ - ۱۰۶ میں " مولوی خورم علی صاحبؒ کے رسالہ "نصیحۃ المسلمین" (فصل چہارم) کا اقتباس دیا ہے : " حاضری حضرتِ عباس رضی اللہ عنہ کی ، صحنک حضرتِ فاطمہ رضی اللہ عنھا کی ، گیارھویں حضرتِ عبدالقادر جیلانیؒ کی ، مالیدہ حضرتِ شاہ مدارؒ کا ، شیرینی حضرتِ بوعلی قلندرؒ کی ، توشہ شاہ عبدالحقؒ کا ، کرنا۔ اس نیت سے کہ یا حضرت تم ہمارا فلانا کام کردو ، تو حرام ہے اور نہایت بد ہے اور صاف شرک ہے - اور اگر منت نہیں ہے ، صرف انکی روح کو ثواب پہنچانا منظور ہے تو درست ہے۔ اس نیت سے ہرگز منع نہیں ہے "۔ پھر شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے اقوال بھی اسی سلسلے میں درج ہیں۔ اور صفحہ ۱۰۶ ۱۱۳ تک حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت اور شفاعت کی تفصیل ہے۔ آخر میں (صفحہ ۱۱۳) مصنف لکھتے ہیں : " پس اس زلہ خوارِ فلاسفہ کی کفریات پر ہرگز اعتقاد نہ رکھنا چاہیے۔ اور اہلِ ہوا کی ہزلیات سے بچنا چاہیے اور اہلِ اللہ کے دامن سے لگنا چاہیے کہ نفس و شیطانکی راہوں سے نجات ملے اور اتباع و اطاعتِ حضرتِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حاصل ہو جو باعثِ بہبودیِ دارین ہے .... "۔ اسکے بعد دعا ہے اور کتاب ختم ہوتی ہے۔

حواشی

۱۔ شاہ نامدار کی صحیح تاریخِ وفات اور مزار کے متعلق سیالکوٹ میں تلاش کے باوجود کوئی علم نہ ہو سکا - وہاں رنگپورہ کے قبرستان میں ان کے پوتے کے مزار پر اس طرح لکھا ہوا ہے " حضرت پیر فضل شاہ پوتے حضرت ہادی شاہ نامدار - نتھیال شریف "- لیکن نتھیال شریف (اکوڑہ خٹک) میں بھی کچھ پتا نہ چل سکا - عزیزی ڈاکٹر سلطان محمود حسینؔ کی تاریخ پسرور (لاہور ۱۹۸۱ء) کے صفحہ ۲۲۸ میں پیر سید چنن شاہ رنگپور والے (م ۱۳۰۸ ھ) کو شاہ نامدار کا خلیفہ کہا گیا ہے اور یہ کہ چنن شاہ کے خلیفہ محمد صدیق تھے اور ان کے خلیفہ شاہ محمد آلو مہار شریف والے (م ۱۳۴۷ ھ) تھے -

۲۔ ڈاکٹر نجم الاسلام صاحب نے اپنے مقالے " دبستانِ دہلی کی نثر " (۱۹۶۹ء) کے صفحہ ۱۳۳ میں لکھا ہے کہ تقویت الایمان ۱۲۴۰ ھ سے قبل لکھی گئی - انھوں نے اس نزاع کا ذکر بھی کیا ہے جو اس سال اس کے متعلق ۲۹ ربیع الآخر کو ہوئی تھی - اس لیے خیال ہوتا ہے کہ اس سال کے شروع میں یا کچھ ہی پہلے وہ شائع ہوئی ہو گی - صراطِ مستقیم ، سیّد احمد بریلویؒ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے جو شاہ محمد اسماعیل نے جمع کیا تھا - کراچی یونی ورسٹی لائبریری میں موجود ہے -

۳۔ رباعی کے اس مصرع میں مست کی رعایت اس لیے ہے کہ مولانا عبدالصمد کا ایک تخلص مست بھی تھا جو وہ ہندی شاعری میں استعمال کرتے تھے - ان کو رن مست خاں بھی کہتے تھے جیسا کہ "تحفۃ العاشقین" کے آخر میں ایک تقریظ میں انھیں ایسا کہا گیا ہے -

۴۔ دیکھیں مرج البحرین - مطبوعہ کراچی ۱۹۶۸ء صفحہ ۱۷-۱۸

۵۔ مولانا احمد رضا خاںؒ (م ۱۳۴۰ ھ) نے بھی فرمایا ہے :-

وہ خدا نے ہے مرتبہ تجھ کو دیا ، نہ کسی کو ملے ، نہ کسی کو ملا
کہ کلامِ مجید نے کھائی شہا ترے شہر و کلام و بقا کی قسم